رسائل و مسائل

سُود، پردہ، طلاق اور مہر

(۲)

اشاعت گذشتہ میں مسائل مندرجۂ عنوان کے متعلق ڈاکٹر سیادت علی صاحب کے بیانات پر ایک مجموعی نظر ڈال کر صرف یہ ثابت کیا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ناکافی تحقیق اور ناکافی غور و خوص پر مبنی ہے۔ اب ہم ان میں سے ایک ایک پر جدا جدا بحث کرکے یہ بتائیں گے کہ اس کے متعلق اسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے اور مسلمانوں کی جن مشکلات کو ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبہ میں بیان کیا ہے ان کو کس طرح شریعت کے مطابق حل کیا جا سکتا ہے۔

۱- سُود

عام طور پر سود کے متعلق اسلامی قانون کے احکام کو سمجھنے میں جو غلطی واقع ہو رہی ہے اس کی اصلی وجہ یہہ ہے کہ اس زمانہ میں وہ معاشی نظام جس کو اسلام نے قائم کیا تھا، درہم برہم ہو چکا ہے، اس کے اصول و نظریات بھی دلوں سے محو ہو گئے ہیں۔ اور ہمارے گرد و پیش کی دنیا پر ایک ایسا نظام پوری طرح حاوی ہو گیا ہے جس کی بنیاد "سرمایہ داری" کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظم معیشت نہ صرف عملاً ہم پر محیط ہے بلکہ ہمارے دل و دماغ پر بھی اس کے اصول و نظریات چھا گئے ہیں۔ اس لیے جب کسی معاشی مسئلہ پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا نقطۂ نظر وہی ہوتا ہے جو سرمایہ داری کا نقطۂ نظر ہے۔ ہماری بحث و تحقیق کی ابتدا ہی اس طرح ہوتی ہے کہ ہم پہلے معاشیات کے سرمایہ دارانہ نظریات اور اصولوں کو مان لیتے ہیں اور اس کے بعد کسی معاشی طریقہ کے جواز و عدم جواز

گفتگو کرتے ہیں لیکن اگر تھوڑی سی سمجھ سے کام لیا جائے تو یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ تحقیق کا یہ طریقہ اصلاً غلط ہے۔ اسلام کا نظمِ معیشت اپنے نظریہ اور اپنے اصول میں سرمایہ داری کے نظمِ معیشت سے بالکل مختلف ہے، دونوں کے مقاصد الگ الگ ہیں، دونوں کی روح جدا جدا ہے، دونوں کے مناہج علٰحدہ علٰحدہ ہیں۔ اب اگر کسی مسئلہ کے متعلق سرمایہ داری کے اصول و نظریات کو تسلیم کر کے اسلام کے معاشی احکام میں سے کسی حکم پر نظر ڈالی جائے گی تو لامحالہ یا تو وہ بالکل ہی غلط نظر آئے گا، یا اس میں ایسی ترمیم کر دی جائے گی جس سے وہ اسلامی قانون کے اصول سے ہٹ کر بالکل سرمایہ داری کے قالب میں ڈھل جائیگا اور اس میں نہ اسلامی روح باقی رہے گی، نہ اسلامی قانون کے اغراض و مقاصد اس سے حاصل ہو سکیں گے، اور نہ وہ اپنے جوہر میں حقیقۃً ایک اسلامی حکم ہو گا۔

یہی بنیادی غلطی ہے جس کی وجہ سے سود کے معاملہ میں ہمارے جدید معاشی مفکرین اسلامی احکام کو سمجھنے اور ان کے اغراض و مصالح کا ادراک کرنے میں ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے چلے جا رہے ہیں وہ سرے سے ہی نہیں جانتے کہ اسلام کا معاشی نظام کن اصولوں پر قائم کیا گیا ہے اس کے مقاصد کیا ہیں۔ اس کی روح کیا ہے۔ سود کو اس نے کیوں حرام قرار دیا ہے۔ سودی لین دین کی مختلف اشکال میں علتِ حرمت کیا شئے ہے اور جن معاملات میں یہ علت پائی جاتی ہے ان کو اسلامی نظمِ معیشت میں کھپا دینے سے کیا قباحت واقع ہوتی ہے ان تمام اساسی امور سے بیگانہ ہو کر جب وہ کلیتہً سرمایہ داری کے نقطۂ نظر سے سود کے متعلق اسلامی قانون پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان کو درحقیقت سود کی حرمت کے لیے کوئی دلیل ہی ہاتھ نہیں آتی، کیونکہ سود تو سرمایہ داری کی جان اور اس کی روحِ رواں ہے، اس کے بغیر سرمایہ داری کا کاروبار چل ہی نہیں سکتا، اور کسی ایسے نظامِ معاشی کا سود سے خالی ہونا غیر ممکن ہے جس کی عمارت سرمایہ داری کے اصولوں پر قائم ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ علمی اور عملی حیثیت سے یہ حضرات اسلام کے بھی پیرو ہیں، اور قصداً اس کے دائرے سے نکلنا نہیں چاہتے۔ یہ اعتقاد کی بندش

ان کو مجبور کرتی ہے کہ سود کی حرمت سے انکار نہ کریں مگر ان کا علم او عمل ان کو مجبور کرتا ہے کہ سود کے متعلق اسلامی احکام کی بندشوں کو توڑ دیں دل اور دماغ کی یہ کشمکش ایک مدت سے جاری ہے اور اب اس میں مصالحت کی آسان صورت یہ نکالی گئی ہے کہ اسلامی احکام کی تعبیر اس طرح کی جائے کہ سود ایک اسم بے مسمّٰی ہونے کی حیثیت سے تو بدستور حرام کا حرام رہے، مگر نظام سرمایہ داری میں اس کے جتنے مسمّٰی پائے جاتے ہیں، وہ قریب قریب سب حلال ہو جائیں۔ زیادہ سے زیادہ جس چیز کے خلاف ان کو سرمایہ داری کے اصولوں سے کوئی دلیل ہاتھ آتی ہے وہ مہاجنی سود (یوژری) ہے لیکن اس کو بھی کلیتہً مسدود کر دینے کی کوئی وجہ وہ نہیں پاتے۔ ان کے نزدیک ضرورت صرف اس کی تحدید کی ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ سود کی فی صدی شرح نا قابل ادا نہ ہو اور کسی حال میں سود در سود (اضعافاً مضاعفۃً) تک نوبت نہ پہنچے!

یہ ایک دھوکہ ہے جس میں یہ حضرات بغیر سمجھے بوجھے مبتلا ہو گئے ہیں۔ بیک وقت دو مخالف سمتوں میں سفر کرنے والی کشتیوں پر سوار ہونا کسی مرد عاقل کا کام نہیں ہو سکتا اگر بے خبری کی وجہ سے اس نے ایسا کیا بھی ہو تو ہوشمندی کا اقتضا یہ ہے کہ جونہی اس کو اپنی اس غلطی پر تنبیہ ہو وہ اپنے لیے دونوں کشتیوں میں سے ایک کو پسند کر کے دوسری کشتی سے فوراً پاؤں کھینچ لے۔ سود کے حلال و حرام ہونے کی بحث اور اس کے حدود کی تعیین تو بعد کی چیز ہے۔ سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ اسلامی نظم معیشت اور سرمایہ دارانہ نظم معیشت کے اصول اور روحی فرق کو اچھی طرح سمجھ لیں اور قرآن و حدیث کے احکام پر غور کر کے ان اصول و قواعد سے باخبر ہو جائیں جن پر اسلام نے سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان ایک متوسط نظم معیشت قائم کیا ہے۔ اس تحقیق سے آپ پر خود بخود منکشف ہو جائیگا کہ اسلام جس ڈھنگ پر انسان کے معاشی معاملات کی تنظیم کرتا ہے اس میں صرف یہی نہیں کہ سود کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، بلکہ وہ سرے سے اس نظریہ اور اس ذہنیت اور ان معاشی

حالات ہی کا استیصال کر دیتا ہے جن کی وجہ سے سودی معاملات کی مختلف صورتیں وجود میں آتی ہیں اس کے بعد آپ کے لیے ناگزیر ہوگا کہ دو راہوں میں سے ایک راہ انتخاب کرلیں ایک راہ یہ ہے کہ آپ اسلام کے اصول معاشیات کو رد کر کے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے اصولوں پر ایمان لے آئیں اس صورت میں آپ کو اسلام کے اصول اور احکام میں ترمیم کرنے کی زحمت ہی نہ اٹھانی پڑے گی بلکہ آپ کے لیے سیدھا اور صاف راستہ یہ ہوگا کہ اس کے اتباع سے انکار کر دیں۔ دوسری راہ یہ ہے کہ آپ اسلام کے اصول معاشی کو تو صحیح سمجھیں اور سود کو اس کی تمام صورتوں کے ساتھ علیٰ وجہ البصیرت حرام جانیں، مگر سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے گھر جانے کے باعث اپنے آپ کو اس حرام چیز سے محفوظ رکھنے میں قاصر پائیں۔ اس صورت میں آپ سود کھانا اور کھلانا چاہیں تو کھائیے اور کھلائیے۔ کیونکہ ہر گناہ کرنے کا آپ کو اختیار حاصل ہے۔ مگر ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ جرأت آپ کبھی نہیں کر سکتے کہ سود کو حلال کر کے کھائیں یا کھلائیں، اور اپنے ضمیر پر سے کل حرام کے بار کو ہلکا کرنے کے لیے اس چیز کو پاک کرنے کی کوشش کریں جس کو خدا اور اس کے رسول نے ناپاک قرار دیا ہے۔ ایک شخص حق رکھتا ہے کہ علانیہ اسلام کے قانون کو رد کر کے کسی دوسرے قانون کی پیروی اختیار کرلے اور بدرجۂ آخر یہ حق بھی اس کو حاصل ہے کہ اسلامی قانون کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ماتحت ایک گنہگار بندہ بن کر رہنا پسند کرے یا نامساعد حالات میں مجبوراً ایسا بن جائے۔ لیکن کسی حال میں یہ حق تو کسی کو بھی نہیں پہنچتا کہ اسلامی قانون کو جس غیر اسلامی قانون سے چاہے بدل دے اور پھر دعویٰ کرے کہ یہ بدلا ہوا قانون ہی در اصل اسلام کا قانون ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم ان مباحث کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

نظام سرمایہ داری

نظام سرمایہ داری کی بنیاد جس نظریہ پر قائم ہے وہ صاف اور سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا تنہا مالک ہے، اُس کی کمائی میں کسی کا کوئی حق نہیں اس کو پورا اختیار ہے کہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اور وہ حق رکھتا ہے کہ جس قدر وسائل ثروت اس کے قابو میں آئیں ان کو روک رکھے اور اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اُن کو صرف کرنے سے انکار کردے۔ یہ نظریہ اس خودغرضی سے شروع ہوتا ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اور آخر کار اس انتہائی خودغرضی تک پہنچ جاتا ہے جو انسان کی تمام ان صفات کو دبا دیتی ہے جن کا وجود انسانی جماعت کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ اگر اخلاقی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر خالص معاشی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اس نظریہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تقسیم ثروت کا توازن بگڑ جائے۔ وسائل ثروت رفتہ رفتہ سمٹ کر ایک زیادہ خوش قسمت یا زیادہ ہوشیار طبقہ کے پاس جمع ہو جائیں اور سوسائٹی عملاً دو طبقوں میں تقسیم ہو جائے، ایک مالدار، دوسرا نادار۔ مالدار طبقہ تمام وسائل ثروت پر قابض و متصرف ہو کر ان کو محض اپنے ذاتی منافع کے لیے استعمال کرے اور اپنی دولت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش میں سوسائٹی کے مجموعی مفاد کو جس طرح چاہے قربان کردے۔ رہا نادار طبقہ تو اس کے لیے وسائل ثروت میں سے حصہ پانے کا کوئی موقع نہ ہو الا یہ کہ وہ سرمایہ دار کے مفاد کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرکے زندگی بسر کرنے کا کم سے کم سامان حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظم معیشت ایک طرف ساہوکار، کارخانہ دار، اور زمیندار پیدا کرے گا اور دوسری طرف مزدور، کسان اور قرضدار۔ ایسے نظام کی عین فطرت اس کی مقتضی ہے کہ سوسائٹی سے ہمدردی، اور امداد باہمی کی اسپرٹ مفقود ہو۔ ہر شخص بالکلیہ اپنے ذاتی وسائل پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ کوئی کسی کا یار و مددگار نہ ہو۔ محتاج کے لیے معیشت کا دائرہ تنگ ہو جائے سوسائٹی کا ہر فرد بقائے حیات کے لیے دوسرے افراد کے مقابلہ میں معاندانہ جدوجہد کرے، زیادہ

زیادہ وسائل ثروت پر قابو پانے کی کوشش کرے، اپنے مفاد کے لیے ان کو روک رکھے، اور صرف ازدیاد ثروت کے لیے انہیں استعمال کرے۔ پھر جو لوگ اس جد و جہد میں ناکام ہوں یا اس میں حصہ لینے کی قوت نہ رکھتے ہوں ان کے لیے دنیا میں کوئی سہارا نہ ہو۔ وہ بھیک بھی مانگیں تو ان کو بہ آسانی نہ مل سکے۔ کسی دل میں ان کے لیے رحم نہ ہو، کوئی ہاتھ ان کی مدد کے لیے نہ بڑھے۔ یا تو وہ خودکشی کر کے زندگی کے عذاب سے نجات حاصل کریں، یا پھر جرائم اور بے حیائی کے ذلیل طریقوں سے پیٹ پالنے پر مجبور ہوں۔

سرمایہ داری کے اس نظام میں ناگزیر ہے کہ لوگوں کا میلان روپیہ جمع کرنے کی طرف ہو اور وہ اس کو صرف پیدآور اغراض کے لیے استعمال کرنے کی سعی کریں۔ مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کی جائیں، بنک کھولے جائیں، پراویڈنٹ فنڈ قائم ہوں، انشورنس کمپنیاں بنائی جائیں، امداد باہمی کی جمعیتیں قائم کی جائیں، اور ان تمام مختلف معاشی تدبیروں میں ایک ہی روح کام کرے، یعنی روپے سے مزید روپیہ پیدا کرنا، خواہ وہ تجارتی لین دین کے ذریعہ سے ہو، یا سود کے ذریعہ سے۔ سرمایہ داری کے نقطۂ نظر سے سود اور تجارتی لین دین کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں ہے اس لیے نظام سرمایہ داری میں یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہ صرف خلط ملط ہو جاتے ہیں، بلکہ کاروبار کی ساخت میں ان کی حیثیت تانے بانے کی سی ہوتی ہے، تجارت کے لیے سود اور سود کے لیے تجارت لازم و ملزوم ہیں اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے بغیر فروغ نہیں ہو سکتا۔ اگر سود نہ ہو تو سرمایہ داری کا تار و پود بکھر جائے۔

نظام اشتراکی سرمایہ داری کے عین مقابل ایک دوسرا نظام معیشت ہے جس کو اشتراکی نظام کہتے ہیں۔ اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ تمام وسائل ثروت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں، اس لیے افراد کو فرداً فرداً ان پر مالکانہ قبضہ کرنے اور اپنے حسب منشا ان میں تصرف کرنے، اور ان سے منافع

سے تنہا متمتع ہونے کا حق نہیں ہے اشخاص کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہوگا جو سوسائٹی کے مشترک مفاد کے لیے وہ انجام دیں گے۔ سوسائٹی ان کے لیے ضروریات زندگی فراہم کرے گی اور وہ اس کے بدلہ میں کام کریں گے۔

یہ نظریہ ایک دوسرے ڈھنگ پر معیشت کی تنظیم کرتا ہے جو بنیادی طور پر نظام سرمایہ داری سے مختلف ہے۔ اس تنظیم میں سرے سے ملکیت شخصی ہی کا وجود نہیں پھر کہاں اس کی گنجایش کہ کوئی زر جمع کرے اور اس کو بطور خود کاروبار میں لگائے۔ یہاں چونکہ نظریے اور اصول میں اختلاف ہو گیا ہے اس لیے مناہج بھی بدل گئے ہیں۔ نظام سرمایہ داری کا کارخانہ بنکنگ انشورنس، شرکتہائے سہامی اور ایسے ہی دوسرے اداروں کے بغیر نہیں چل سکتا لیکن اشتراکیت کی ساخت اور اس کے معاشی معاملات میں نہ ان اداروں کی گنجایش ہے، نہ ضرورت۔ سرمایہ داری کے مزاج سے سود کو جتنی گہری مناسبت ہے، اشتراکیت کے مزاج سے اس کو اتنی ہی زیادہ شدید ناموافقت ہے۔ اشتراکیت اس چیز کی بنیاد ہی مسمار کر دیتی ہے جس کی بناء پر ایک شخص سود لیتا اور دوسرا شخص سود دیتا ہے اس کے اصول کسی شکل اور کسی حیثیت میں بھی سود کو جائز نہیں رکھتے اور جو شخص ان اصولوں پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے ممکن نہیں کہ بیک وقت اشتراکی بھی ہو اور سودی لین دین بھی کرے۔

اسلام کا معاشی نظام

اشتراکیت اور سرمایہ داری ایک دوسرے کے خلاف دو انتہائی نقطوں پر ہیں۔ سرمایہ داری افراد کو ان کے فطری حقوق ضرور دیتی ہے مگر اس کے اصول و نظریات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو افراد کو جماعت کے مشترک مفاد کی خدمت کے لیے آمادہ کرنے والی اور تا بحدِ ضرورت اس پر مجبور کرنے والی ہو، بلکہ درحقیقت وہ افراد میں ایک ایسی خود غرضانہ ذہنیت پیدا کرتی ہے جس سے وہ اپنے شخصی مفاد کے لیے جماعت کے خلاف عملاً جنگ کرتے ہیں اور سرمایہ داری کا نظام اس جنگ میں ان کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتا ہے، یہاں تک کہ تقسیم ثروت کا

توازن بالکل بگڑ جاتا ہے۔ ایک طرف چند افراد پوری جماعت کے وسائل ثروت کو سمیٹ کر لکھ پتی اور کروڑ پتی بن جاتے ہیں، اور اپنے سرمایہ کی قوت سے مزید دولت کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ دوسری طرف جمہور کی معاشی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی جاتی ہے اور دولت کی تقسیم میں ان کا حصہ گھٹتے گھٹتے بمنزلہ صفر رہ جاتا ہے۔ ابتدا میں سرمایہ داروں کی دولت اپنے شاندار مظاہر سے تمدن میں ایک نظر فریب چمک دمک ضرور پیدا کر دیتی ہے، مگر دولت کی غیر متوازن تقسیم کا آخری انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ معاشی دنیا کے جسم میں دوران خون بند ہو جائے، جسم کے اکثر حصے قلت خون کی وجہ سے سوکھ کر تباہ ہوں، اور اعضاء رئیسہ کو خون کا غیر معمولی اجتماع تباہ کر دے۔

اشتراکیت اس خرابی کا علاج کرنا چاہتی ہے، مگر وہ ایک صحیح مقصد کے لیے غلط راستہ اختیار کرتی ہے۔ اس کا مقصد تقسیم ثروت میں توازن قائم کرنا ہے اور یہ بلاشبہ صحیح مقصد ہے، مگر اس کے لیے وہ ذریعہ ایسا اختیار کرتی ہے جو درحقیقت انسانی فطرت سے جنگ ہے۔ افراد کو شخصی ملکیت سے محروم کر کے بالکل جماعت کا خادم بنا دینا، نہ صرف معیشت کے لیے تباہ کن ہے، بلکہ زیادہ وسیع پیمانے پر انسان کی پوری تمدنی زندگی کے لیے مہلک ہے، کیونکہ یہ چیز معاشی کاروبار اور نظام تمدن سے اس کی روح رواں، اس کی اصلی قوتِ محرکہ کو نکال دیتی ہے۔ تمدن و معیشت میں انسان کو جو چیز اپنی انتہائی قوت کے ساتھ سعی و عمل کرنے پر ابھارتی ہے، وہ دراصل اس کا ذاتی مفاد ہے۔ وہ اپنے دل اور دماغ اور دست و بازو کی تمام طاقتیں اُس کام میں خرچ کر دیتا ہے جس سے اس کو خود اپنے مفاد کے لیے ذاتی دلچسپی ہوتی ہے۔ اگر سرے سے دلچسپی ہی باقی نہ رہے، اور اس کو معلوم ہو کہ اس کے لیے فوائد و منافع کی جو حد مقرر کر دی گئی ہے اس سے بڑھ کر وہ اپنی جد و جہد سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا، تو اس کے قوائے فکر و عمل ٹھٹھر کر

رہ جائیں گے، اور وہ محض ایک مزدور کی طرح کام کرے گا جس کو اپنے کام سے بقدر اجرت ہی دی جاتی ہوتی ہے یہ تو اشتراکی نظام کا باطنی پہلو ہے۔ اس کا خارجی اور عملی پہلو یہ ہے کہ وہ سرمایہ دار افراد کا خاتمہ کرکے ایک بہت بڑے سرمایہ دار کو وجود میں لاتا ہے یعنی اشتراکی حکومت۔ یہ بڑا سرمایہ دار لطیف انسانی جذبات کی اس اقل قلیل مقدار سے بھی خالی ہوتا ہے جو سرمایہ دار افراد میں پائی جاتی ہے۔ وہ بالکل ایک مشین کی طرح افراد سے خدمت لیتا ہے اور ایک مشین کی طرح پورے استبداد کے ساتھ ان کے درمیان اسباب حیات تقسیم کرتا ہے۔ اس کے پاس نہ ہمدردی ہے، نہ قدر و اعتراف۔ وہ انسانوں سے انسانوں کی طرح کام نہیں لیتا بلکہ مشین کے کل پرزوں کی طرح کام لیتا ہے، اور ان سے فکر و رائے اور عمل کی آزادی بالکل سلب کر لیتا ہے۔ اس شدید استبداد کے بغیر نظام اشتراکی نہ قائم ہو سکتا ہے، نہ قائم رہ سکتا ہے کیونکہ افراد کی عین فطرت اس نظام کے خلاف ہر وقت آمادۂ بغاوت رہتی ہے۔ اگر ان کو دائماً استبداد کے آہنی شکنجہ میں جکڑ کر نہ رکھا جائے تو وہ اشتراکی نظم کو دیکھتے دیکھتے منتشر کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج روس کی سوویٹ گورنمنٹ دنیا کی حکومتوں میں سب سے زیادہ مستبد اور جابر ہے۔ اس کا یہ جبر و استبداد کچھ اس وجہ سے نہیں کہ محض بخت و اتفاق نے اسٹالین جیسے ڈکٹیٹر کو پیدا کر دیا ہے، بلکہ درحقیقت اشتراکیت کا مزاج ہی ایک شدید ترین ڈکٹیٹر شپ کا مقتضی ہے۔

اسلام ان دو متضاد معاشی نظاموں کے درمیان ایک معتدل نظام قائم کرتا ہے جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ فرد کو اس کے پورے پورے شخصی حقوق دیئے جائیں، اور اس کے ساتھ تقسیم ثروت کا توازن بھی نہ بگڑنے دیا جائے۔ ایک طرف وہ فرد کو شخصی ملکیت کا حق دیتا ہے، اپنے مال میں تصرف کرنے کے اختیارات دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ ان سب حقوق اور اختیارات پر باطن کی راہ سے کچھ ایسی اخلاقی پابندیاں، اور ظاہر کی راہ سے کچھ ایسی قانونی پابندیاں عائد کرتا

ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ کسی جگہ وسائل ثروت کا غیر معمولی اجتماع نہ ہو سکے ثروت اور اس کے وسائل ہمیشہ گردش کرتے رہیں، اور گردش ایسی ہو کہ جماعت کے ہر فرد کو اس کا متناسب حصہ مل سکے اس مقصد کے لیے اس نے معیشت کی تنظیم ایک نئے ڈھنگ پر کی ہے جو اپنی روح اور اپنے اصولوں اور اپنے طریق کار کے اعتبار سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے مختلف ہے۔

آئیے اب ایک تفصیلی نظر انسانی معیشت کی اس الٰہی تنظیم پر بھی ڈال لیجئے۔

اسلام کے اصول معیشت | اسلام کا معاشی نظریہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ معاشی زندگی میں ہر ہر فرد کا شخصی مفاد اور تمام افراد کا اجتماعی مفاد ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط رکھتا ہے اس لیے دونوں میں مزاحمت کے بجائے موافقت اور معاونت ہونی چاہیے فرد اگر اجتماعی مفاد کے خلاف جد وجہد کرکے جماعت کی دولت اپنے پاس سمیٹ لے، اور اس کو جمع رکھنے یا خرچ کرنے میں محض اپنے ذاتی مفاد کو ملحوظ رکھے تو یہ صرف جماعت ہی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، بلکہ مآل کار میں اس کے نقصانات خود اس شخص کی اپنی ذات کی طرف بھی عود کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر اجتماعی مفاد کے لیے افراد کے شخصی مفاد کو قربان کیا جائے تو اس میں صرف افراد ہی کا نقصان نہیں بلکہ مآل کار میں جماعت کا بھی نقصان ہے۔ پس فرد کی بہتری اس میں ہے کہ جماعت خوش حال ہو۔ اور جماعت کی بہتری اس میں ہے کہ افراد خوش حال ہوں، اور دونوں کی خوشحالی اس پر موقوف ہے کہ افراد میں خود غرضی اور ہمدردی کا صحیح تناسب قائم ہو، ہر شخص اپنے ذاتی فائدے کے لیے جد وجہد کرے۔ مگر اس طرح کی اس میں دوسروں کا نقصان نہ ہو، ہر شخص جتنا کما سکے کمائے مگر اس کی کمائی میں دوسروں کا بھی حق ہو، ہر شخص دوسروں سے خود بھی نفع حاصل کرے اور دوسروں کو نفع پہنچائے بھی۔ منافع کی اس تقسیم اور دولت کی اس گردش کو جاری رکھنے کے لیے محض افراد کے باطن میں چند اخلاقی اوصاف پیدا کر دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ جماعت کا قانون بھی ایسا ہونا چاہیے جو مال کے اکتساب اور خرچ دونوں کی

صحیح تنظیم کر دے۔ اس کے ماتحت کسی کو مضرت رساں طریقوں سے دولت کمانے کا حق نہ ہو، اور جو دولت جائز ذرائع سے کمائی جائے وہ بھی ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے، بلکہ صرف ہو اور زیادہ سے زیادہ گردش کرے۔

اس نظریہ پر جس نظم معیشت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کا مقصد نہ تو یہ ہے کہ چند افراد کروڑپتی بن جائیں اور باقی تمام لوگ فاقے کریں، اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی کروڑپتی نہ بن سکے اور جبراً سب کو ان کے فطری تفاوت کے باوجود ایک حال میں کر دیا جائے۔ ان دونوں انتہاؤں کے بین بین اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جماعت کے تمام افراد کی معاشی ضروریات پوری ہوں۔ اگر ہر شخص دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر اپنی فطری حد کے اندر رہ کر اکتساب مال کی کوشش کرے، اور پھر اپنے کمائے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں کفایت شعاری اور امداد باہمی کو ملحوظ رکھے تو سوسائٹی میں وہ معاشی ناہمواری پیدا نہیں ہو سکتی جو سرمایہ داری کے نظام میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس قسم کا طرز معیشت کسی کو کروڑپتی ہونے سے نہیں روکتا، مگر اس کے ماتحت یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی کروڑپتی کی دولت اس کے ہزاروں ابنائے نوع کی فاقہ کشی کا نتیجہ ہو۔ دوسری طرف یہ طرز معیشت تمام افراد کو خدا کی پیدا کی ہوئی دولت میں سے حصہ ضرور دلانا چاہتا ہے، مگر ایسی مصنوعی بندشیں لگانا جائز نہیں رکھتا جن کی وجہ سے کوئی شخص اپنی قوت اور قابلیت کے مطابق اکتساب مال نہ کر سکتا ہو۔

اسلامی نظم معیشت کے ارکان یہ ہے اسلام کا معاشی نظریہ۔ اب دیکھیے کہ اس نظریہ کے مطابق اسلام نے جو نظم معیشت قائم کیا ہے، اس کے اخلاقی اور قانونی ارکان کیا ہیں:۔

(۱) اکتساب مال کے ذرائع میں جائز اور ناجائز کی تفریق۔ یہ تفریق اس قاعدۂ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت کمانے کے تمام وہ طریقے ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص یا

اشخاص کے نقصان پر ہو، اور ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد و منافع کا مبادلہ اشخاص متعلقہ کے درمیان باہمی رضامندی سے ہو۔ قرآن مجید میں اس قاعدہ کلیہ کو اسطرح بیان کیا گیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا (۴: ۵)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو، بجز اس کے کہ لین دین آپس کی رضامندی سے ہو؛ اور تم خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے۔ اور جو کوئی اپنی حد سے تجاوز کرکے ظلم کیسا تھ ایسا کریگا۔ اس کو ہم آگ میں جھونک دینگے

اس آیت میں لین دین کے لیے جواز کی دو شرطیں بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ لین دین باہمی رضامندی سے ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان نہ ہو۔ اس معنی میں وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ کا فقرہ نہایت بلیغ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے فائدہ کے لیے دوسرے کا نقصان کرتا ہے وہ گویا اس کا خون پیتا ہے اور مآل کار میں خود اپنی تباہی کا راستہ کھولتا ہے۔ چوری، رشوت، قمار، دغا و فریب، سود، اور بہت سے بیع کے طریقوں میں، عدم جواز کے یہ دونوں اسباب پائے جاتے ہیں اور اگر بعض میں تراضی کے وہم کی گنجائش بھی ہے تو لا تقتلوا انفسکم کی دوسری اہم شرط مفقود ہے۔

(۲) جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو جمع نہ کیا جائے، کیونکہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے، اور تقسیم دولت میں توازن برقرار نہیں رہتا۔ دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرنے والا نہ صرف خود بدترین اخلاقی امراض میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ درحقیقت وہ پوری جماعت کے خلاف ایک شدید جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ آخرکار خود اس کے لیے بھی برا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے۔ وہ کہتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ — جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ

مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ (۳ : ۱۸۰)

گمان نہ کریں کہ یہ فعل ان کے لیے اچھا ہے، بلکہ درحقیقت یہ ان کے لیے برا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۹ : ۵)۔

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خبر دیدو۔

یہ چیز سرمایہ داری کی بنیاد پر ضرب لگاتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جب سرمایہ داری کا دروازہ ہی بند کرنا مقصود ہے تو سود جو بخل اور جمع مال کا ثمرہ ہے، اسلام کے نظم معیشت میں کیسے بار پا سکتا ہے۔

(۳) جمع کرنے کے بجائے اسلام خرچ کرنے کی تعلیم دیتا ہے، مگر خرچ کرنے سے اس کا یہ مقصد نہیں کہ آپ اپنے عیش و آرام اور گلچھرے اڑانے میں دولت لٹائیں بلکہ وہ خرچ کرنے کا حکم فی سبیل اللہ کی قید کے ساتھ دیتا ہے، یعنی آپ کے پاس آپ کی اپنی ضروریات سے جو کچھ بچ رہے اس کو نیک اور مفید کاموں میں خرچ کردیں کہ یہی سبیل اللہ ہے۔

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ (۲ : ۲۱۹)

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہو کہ جو ضرورت سے بچ رہے۔

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۴ : ۶)

احسان کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور نادار مسکینوں اور قرابتدار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والے دوستوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں پر۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۵۱ : ۱۹)

اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے۔

اس باب میں اسلام کا نقطۂ نظر سرمایہ داری کے نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے۔ سرمایہ دار سمجھتا ہے

کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤں گا اور جمع کرنے سے مالدار بنوں گا۔ اسلام کہتا ہے خرچ کرنے سے برکت ہوگی، تیری دولت گھٹے گی نہیں بلکہ اور بڑھے گی۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا۔ (۲:۲۶۸)

شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور بخل جیسی شرمناک بات کا حکم دیتا ہے مگر اللہ تم سے اپنی بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے۔

سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ جو خرچ کر دیا وہ کھو دیا گیا۔ اسلام کہتا ہے کہ نہیں وہ کھویا نہیں گیا بلکہ اس کا بہتر فائدہ تمہاری طرف پھر پلٹ کر آئے گا۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ (۲:۲۷۲)

تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کروگے وہ تم کو پورا پورا واپس ملے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (۳۵:۲۹)۔

اور جن لوگوں نے ہمارے بخشے ہوئے رزق میں سے کھلے اور چھپے طریقہ سے خرچ کیا وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں گھاٹا ہرگز نہیں ہے اللہ ان کے بدل ان کو پورے پورے اجر دیگا بلکہ اپنے فضل سے کچھ زیادہ عنایت کرے گا۔

(باقی)

فضل فونٹن پن

سینیر ۷۸۶ جونیر ۱۱

نیا اسٹاک آچکا ہے۔ خوبصورت پائدار قیمت واجبی علاوہ اس کے سامان اسٹیشنری وکاغذ وغیرہ خط وکتابت سے طلب فرمائیے۔

فدا علی محمد علی تاجر کاغذ چھتہ بازار گھٹی حیدرآباد دکن